قتیل شفائی ○ نیا ادارہ

قتیل شفائی

باراول ۱۹۵۷ء

ناشر

نیا ادارہ دہلی

قیمت تین روپے

(مطبوعہ کوہ نور پریس لال کنواں دہلی)

احمد ندیم قاسمی کے نام

ترتیب

دعا

نقرئی جھانجھنوں جھنن جھن جھنن دودھ سے پاؤں کو گدگداتی رہے
گنگناتی رہیں کانچ کی چوڑیاں، ہر کلائی نئے گیت گاتی رہے
ہر جوانی سدا مسکراتی رہے

گاؤں سے دور کھیتوں کے اس پار وہ صاف شفاف چشمہ ابلتا رہے
شوخ پنہاریوں کا حسیں جمگھٹا گاگریں لے کے راہوں پہ چلتا رہے
حسن منظر کے سانچے میں ڈھلتا رہے

گرمیوں کی کڑاکتی ہوئی دھوپ میں جھوم کر پیڑ سایے لٹاتے رہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے پالے ہوئے مست جھونکے شرابیں پلاتے رہیں
نیند بن کر منظر میں سماتے رہیں

چودھویں رات کے چاند کی چاندنی کھیتوں پر ہمیشہ بکھرتی رہے
اونگھتے رہگزاروں پہ پھیلے ہوئے ہر اجالے کی رنگت نکھرتی رہے
نرم خوابوں کی گنگا ابھرتی رہے

عید کا دن یونہی روز آتا رہے، ڈھولکوں پر یونہی تھاپ پڑتی رہے
منچلی لڑکیوں میں ہنسی کھیل پر نت نئے ڈھب سے بنتی بگڑتی رہے
کوئی مانے تو کوئی اکڑتی رہے

شہر سے لوٹ کر آنے والے جواں گاؤں میں جوق در جوق آتے رہیں
اپنی اپنی دلہن کے لئے نت نئی سونے چاندی کی سوغات لاتے رہیں
زندگی کے محل جگمگاتے رہیں

وادیٔ سربن کی ایک صبح

کوہِ سربن کی آغوشِ گلپوش میں نقرئی بادلوں نے بسیرا کیا
رات بھر لونڈیاں رقص کرتی رہیں بھیگی موسیقیوں نے سویرا کیا
ہو گئیں صاف شفاف پگڈنڈیاں میلی میلی چٹانوں کے منہ دھل گئے
سوئی سوئی فضا آنکھ ملنے لگی، سیلی سیلی ہواؤں کے پر تُل گئے
وجد میں آگئیں سوکھتی جھاڑیاں مست جھرنے نئے گیت گانے لگے
اونچے اونچے صنوبر لہکتے ہوئے مل کے جشنِ مسرت منانے لگے
ذرّے ذرّے کا چہرہ دمکنے لگا۔ سنگریزوں میں ہیروں سے تاب آگئی
سارا ماحول اک آئینہ بن   ے فطرت پہ تابندگی چھا گئی !
پیارے پیارے پرندے چہکتے ہوئے آشیانوں سے اڑ اڑ کے آنے لگے
ننھے ننھے سے پھر پھڑاتے ہوئے کوئی بے نام سا گیت گانے لگے
ٹوٹی پھوٹی سی کٹیاؤں میں چونک کر مست چرواہے بیدار ہونے لگے
گونج اٹھیں مرلیوں کی رسیلی دھنیں ہونٹ گیتوں کی مالا پرونے لگے
سرِ چشمے پہ البیلی پنہاریاں دم بخود رس بھرے گیت سننے لگیں
جانی پہچانی آواز پہچان کر حسرتوں کے حسین جال بننے لگیں

تکون

چھپی وہ شب کی سیاہی میں دن کی تابانی
چراغ جیسے کوئی کاکلوں سے ڈھانپ گیا
کراہتے ہوئے سایے اور ان کا پس منظر
سحر ہوئی تو دلِ کائنات کانپ گیا

چھپے ہوئے ہیں نظر سے وہ دل نشیں منظر
جنہیں خیال کی زینت بنائے بیٹھا ہوں!
نظر سے دور، مگر ذہن کے قریب ایہ کیا
میں کہکشاں کو زمیں پر جھکائے بیٹھا ہوں

چھپا جو پردہ مغرب میں زرد رو سورج
فلک پہ چاند ستاروں کی جگمگاہٹ تھی!
ہوا کا نرم سا جھونکا، وہ اک لطیف سی لے
گذرتے وقت کے آنچل کی سرسراہٹ تھی

سپنا

غم کے پُرہول شبستانوں میں!

آج اک شمعِ ضیا بار جلا آیا ہوں!!
کتنے خوابیدہ اُجالوں کو جگا آیا ہوں
اپنے قدموں کو نئی راہ دکھا آیا ہوں

تیرہ و تار بیابانوں میں

چھٹ گئے ہیں مرے ماحول سے غم کے بادل
مسکرانے لگے تارے مری چشمِ نم کے
میری دنیا میں مسرت کے اُجالے چمکے

بچھ گیا نور سیہ خانوں میں!

اُٹھ گئی بارگہِ حسن کی رنگیں چلمن
پاؤں تھر کے تو مچلنے لگی جھانجھن جھن جھن
ہو گئے پھر سے ان آنکھوں میں دیے سے روشن

لوچ سا آ گیا ارمانوں میں

ناگہاں آج مرے بخت نے پلٹا کھایا
پردۂ ظلمتِ آلام جو ہی سرکایا
اک شور سا مرے احساس کو چھونے آیا

جیسے جگنو کوئی طوفانوں میں

اک جام، کھنکتا جام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
اک ہوش ربا انعام، کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

وہ دیکھ ستاروں کے موتی ہر آن بکھرتے جاتے ہیں
افلاک پہ ہے کہرام، کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

گو دیکھ چکا ہوں پہلے بھی نظارہ دریانوشی کا!
اک اور صلائے عام، کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

یہ وقت نہیں ہے باتوں کا، پلکوں کے سائے کام میں لا
الہام کوئی الہام، کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

مدہوشی میں احساس کے اونچے زینے سے گر جانے دے
اس وقت نہ مجھ کو تھام، کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

کروٹ

ننگے پیڑوں کو ڈھانپنے کے لئے
پھیلے جاتے ہیں ریشمیں سائے
آگئے وہ پروں کو پھیلائے
غول کے غول سبز پریوں کے

ایک کروٹ سی، اور خزاں ناپید
ایک آہٹ سی اور موسم گل
خشک پتوں کی کھڑکھڑاہٹ پر
چھا گیا ہے ترانۂ بلبل

ابر جھوما تو رند بھی جھومے
جام رقصاں ہیں، مے چھلکتی ہے
قہقہے سن کے موسمِ گل کے
دور پت جھڑ کہیں سسکتی ہے

یوں جھکا ہے ندی پہ اک شہتوت
دیکھتا ہو وہ جیسے آئینہ
پیڑ کا عکس ہے کہ سبز آنچل
جس میں لپٹا ہو نقرئی سینہ

خلوتوں کے نصیب جاگ اُٹھے
دل مچلنے لگا ہے پہلو میں
آج کچھ ان پہ ہی نہیں موقوف
جی میں آتا ہے خود کو بھی چومیں

ڈالیاں لد گئیں ہیں پھولوں سے
خوشبوؤں سے مہک اُٹھے سایے
جیسے گر کر دلہن کے ہاتھوں سے
ناگہاں عطر داں الٹ جائے

چاندنی رات، فکرِ شعر و سخن !!
میں نے چاندی کے بت تراشے ہیں
ان میں تم رُوح پھونک دو ورنہ
میرے افکار سرد لاشے ہیں !

نگاہوں میں خمار آتا ہوا محسوس ہوتا ہے
تصور جام چھلکاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

خرامِ ناز ۔ اور ان کا خرامِ ناز ؟ کیا کہنا!
زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

تصوّر ایک ۔ ذہنی جستجو کا نام ہے شاید!
دل ان کو ڈھونڈ کر لاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

کسی کی نقرئی پازیب کی جھنکار کے صدقے
مجھے سارا جہاں گاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

قتیلؔ اب دل کی دھڑکن بن گئی ہے چاپ قدموں کی
کوئی میری طرف آتا ہوا محسوس ہوتا ہے

دُلہن

جاگ سہیلی!

جاگ سنبھل کر آنکھیں مل کر

ادا لبیلی

ہوا سویرا

دیکھ وہ۔ اُٹھ کر گیا ندی پر

ساجن تیرا

نیند کی ماتی

اپنی سادھ لے بول نہ اُٹھے

تیری چھاتی!

یوں سونے سے

تیرا ان کا بھید کھلے گا

کروٹ بھی لے

ادا لبیلی!

ہرجائی!

کھیت سے دور دہکتے ہوئے دوراہے پر
ایک سرشار جواں بیں نے کھڑا پایا تھا!
تمتمائے ہوئے چہرے پہ سلگتی آنکھیں
جیسے ہکے ہوئے گلزار کا خواب آیا تھا!

سر پہ گاگر کے چھلکنے سے جو تارے ٹوٹے!
آسماں جھانک رہا تھا مجھے حیرانی سے
ٹن سے کنکر جو پڑا میری حسیں گاگر پر
ایک نغمہ سا ابھرنے لگا پیشانی سے!

لوٹتی رات گئے گھر کو پلٹنا میرا!
ایک لپکتے ہوئے سایے نے ڈرایا تھا مجھے
"تم؟ ارے تم؟" (وہی سرشار جواں تھا شاید)
"جی وہ یہی ایک سہیلی نے بلایا تھا مجھے

کھیت بھرپور جوانی کو لٹا بیٹھے تھے!
ہر درانتی پہ تسلسل کا جنوں طاری تھا
جانے کیا دیکھ رہا تھا وہ مرے چہرے پر
اس قدر یاد ہے انگلی سے لہو جاری تھا

کانچ کی چوڑیاں کل رات نہ ہوں ہاتھوں میں
اتنی اونچی تری پازیب کی جھنکار نہ ہو!
سرسراتا ہوا ملبوس نہ لہرا جائے!
کسی سایے کا گماں بھی پسِ دیوار نہ ہو

جب کبھی چاند سے پگھلی ہوئی چاندی برسی
اونگھتی رات کے شانے کو جھنجھوڑا ہم نے
بھول کر بھی کبھی پلکیں نہ جھپکنے پائیں!
اس قدر نیند کو آنکھوں سے پچھوڑا ہم نے

اب مگر چاندنی رات آکے گذر جاتی ہے
پوچھتا ہی نہیں کوئی میری تنہائی کو!
کھیت سے دور دمکتے ہوئے دوراہے پر
ڈھونڈتی ہیں میری آنکھیں کسی ہرجائی کو

گنگناتی ہوئی آتی ہیں فلک سے بوندیں
کوئی بدلی تری پازیب سے ٹکرائی ہے

کھنڈر

وہ مکاں جس کے در و دریچے مدتوں سے بند ہیں
کچھ دنوں سے چھا رہا ہے میرے احساسات پر
زندگی کی دھڑکنیں آلودۂ تاثیر ہیں!
وقت کے ہاتھوں پہ اک اجلی چمک پیدا ہوئی
تیرہ و تاریک راہوں میں ستارے بجھ گئے
ان اجالوں میں اندھیرے قابلِ تعزیر ہیں
زندگی نے دو قدم پیچھے کو پلٹا کھا لیا
پھر وہی پیماں، وہی سہمی ہوئی سرگوشیاں
سن رہی ہوں اب بھی ماضی کے رسیلے قہقہے
ٹمٹماتا ہے ابھی تک میری کٹیا کا دیا!
وہ گٹھیلا سا بدن ابریشمی ملبوس میں
آتے جاتے آنکھوں آنکھوں میں سندیسے پیار کے
بھول سکتے ہیں کبھی؟ ان کو بھلا سکتی ہوں میں
اُف وہ آنکھیں، دو دیے جلتے ہوئے فانوس میں
میں نے دیکھی تھی انہیں آنکھوں میں تاروں کی چمک
اک مسلسل کیف، اک پیہم مسرت کی نمود!

والہانہ عشق کی اک غیر فانی یادگار!
ہلکی ہلکی سی خلش، اک میٹھی میٹھی سی کسک
آہ وہ خونی سحر، میری محبت کی رقیب
اُف وہ غراتی ہوئی موٹر کا بل کھاتا دھواں
آخری آہوں وہ ڈوبا ہوا لمبا سفر!
ایک نادیدہ وطن میں کھو گیا میرا حبیب
دیکھ کر کٹیا میں مجھ کو کروٹیں لیتے ہوئے
غرق ہو جاتے ہیں احساسات گہری سوچ میں
رینگتی ہے دل کے اک تاریک گوشے میں امید
آ رہے ہوں جیسے وہ مجھ کو صدا دیتے ہوئے
جن کے پس منظر میں میری جنتیں آباد تھیں
مسکراتے ہیں ابھی تک ان دریچوں کے کواڑ
جیسے میری زندگی بازیچۂ تقدیر ہے!
جیسے میرے جھونپڑے کا کوئی مستقبل نہیں
میرا ننھا ہے کہ فردوس بریں کا پھول ہے
رات کی تنہائیوں میں دے کے اس کو لوریاں
"لو وہ ابا آ گئے" کہتی ہوں جانے کس لئے
وہ نہ آئیں گے، نہ آئیں گے، یہ میری بھول ہے

پیشن گوئی

سونے کی انگوٹھی میں یہ ہیرے کا نگینہ !
تحفہ ترا لیتے ہوئے دل کانپ رہا ہے
آغاز میں انجام کی باتیں مرے محبوب
احساس کی رگ رگ میں لہو ہانپ رہا ہے

وہ خواب جو میں نے تری آنکھوں سے نچوڑا
افسوس کہ اس خواب کی تعبیر غلط ہے
میں نے تو نہ چاہا تھا یہ سونے کا دریچہ
شاید ترے فردوس کی تعبیر غلط ہے

افسوس تری مصلحت اندیش محبت
دل سے نہیں، سونے سے مجھے تول رہی ہے
لیکن مرے محبوب اسے کون چھپائے
وہ راز جو ہیرے کی کنی کھول رہی ہے

ڈھل جائیں گے جس وقت شفق زار لبوں سے
جب حسن کے شاداب نظارے نہ رہیں گے
جب چاند سے ماتھے پہ نہ پھوٹے گا اجالا
جب رات سی آنکھوں میں ستارے نہ رہیں گے

ہو جائے گا عریاں تری فطرت کا تلوّن
ہیرے سے اتر جائے گا سونے کا لبادہ
جس وقت میں آفاق میں رہ جاؤں گی تنہا
ہیرا مرے کام آئے گا سونے سے زیادہ

شمع انجمن

میں زندگی کی ہر ایک سانس کو ٹٹول چکی
میں لاکھ بار محبت کے بھید کھول چکی
میں اپنے آپ کو تنہائیوں میں تول چکی
میں جلوتوں میں ستاروں کے بول بول چکی

مگر کوئی بھی نہ مانا!!!

وفا کے دام بچھائے گئے قرینے سے
مگر کسی نے بھی روکا نہ مجھ کو جینے سے
کسی نے جام چرائے ہیں مرے سینے سے
کسی نے عطر نچوڑا مرے پسینے سے

کسی کو غیر نہ جانا!

مری نظر کی گرہ کھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا
جو بازوؤں کہیں ٹل گئی تو کچھ بھی نہ تھا
مرے لبوں سے شفق ڈھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا
جواں رہی تو رہی گھل گئی تو کچھ بھی نہ تھا

کہ لٹ چکا تھا خزانہ!

رہی نہ سانس میں خوشبو تو بھاگ پھوٹ گئے
گیا شباب تو اپنے پرائے چھوٹ گئے
کوئی تو چھوڑ گئے کوئی مجھ کو لوٹ گئے
محل گرے سو گرے جھونپڑے بھی ٹوٹ گئے

رہا نہ کوئی ٹھکانہ!

غزل

دل کو غمِ حیات گوارا ہے ان دنوں
پہلے جو درد تھا وہی چارہ ہے ان دنوں

ہر سیلِ اشک ساحلِ تسکیں ہے آج کل
دریا کی موج موج کنارہ ہے ان دنوں

یہ دل، ذرا سا دل تری یادوں میں کھو گیا
ذرّہ کو آندھیوں کا سہارا ہے ان دنوں!

شمعوں میں اب نہیں ہے وہ پہلی سی روشنی
کیا واقعی وہ انجمن آرا ہے ان دنوں!

تم آسکو تو شب کو بڑھا دوں کچھ اور بھی
اپنے کہے میں صبح کا تارا ہے ان دنوں

آپ بیتی

میرے خوابوں کے شبستاں میں اجالا نہ کرو
کہ بہت دور سویرا نظر آتا ہے مجھے
چھپ گئے ہیں مری نظروں سے خد و خالِ حیات
ہر طرف ابر گھنیرا نظر آتا ہے مجھے!
چاند تارے تو کہاں اب کوئی جگنو بھی نہیں
کتنا شفاف اندھیرا نظر آتا ہے مجھے!

کوئی تابندہ کرن یوں مرے دل پر لپکی
جیسے سوئے ہوئے مظلوم پہ تلوار اٹھے
کسی نغمے کی صدا گونج کے یوں تھرائی
جیسے ٹوٹی ہوئی پازیب سے جھنکار اٹھے
میں نے پلکوں کو اٹھایا بھی تو آنسو پائے
مجھ سے اب خاک جوانی کا کوئی بار اٹھے

تم نے راتوں میں ستارے تو ٹٹولے ہوں گے
میں نے راتوں میں اندھیرے ہی اندھیرے دیکھے
تم نے خوابوں کے پرستاں تو سجائے ہوں گے
میں نے ماحول کے سب رنگ بکھرے دیکھے!

تم نے اک تار کی جھنکار تو سن لی ہو گی!
میں نے گیتوں میں اُداسی کے بسیرے دیکھے

مرے غمخوار، مرے دوست تمہیں کیا معلوم
زندگی موت کے مانند گزاری میں نے
ایک بگڑی ہوئی صورت کے سوا کچھ بھی نہ تھا
جب بھی حالات کی تصویر اتاری میں نے
کسی افلاک نشیں نے مجھے دھتکار دیا!
جب بھی روکی ہے مقدر کی سواری میں نے

مرے غمخوار مرے دوست تمہیں کیا معلوم!

☆

اے دل کے ولولو! شبِ وعدہ قریب ہے
تا زندگی سویرا سویرا کرو گے تم

شرافت

حریری ملبوس میں گلابی بدن کی خوشبو
دبی دبی لے میں گیت سا گنگنا رہی تھی
کھلے دریچوں سے جھانکتی چاندنی ابھی تک
مری جھجکتی نگاہ پر مسکرا رہی تھی !

سنہرے بالوں کے تار شدت سے جھنجھنا کر
عجیب سی کوئی راگنی گائے جا رہے تھے
کھلے دریچوں سے آنے والے ہوا کے جھونکے
مری خموشی پہ تیر برسائے جا رہے تھے !

سلگتی آنکھوں کی غیر مبہم شکایتوں میں
کسی کی ناکام التجا اب چہک اٹھی تھی !
کھلے دریچوں میں تلملاتی سحر کی دیوی !
مری جوانی کی بزدلی پر بھڑک اٹھی تھی !

میں سوچتا ہوں مرے کئے کا یہی صلہ ہے
کہ میری جہاں کو مجھ سے اب تک یہی گلہ ہے
میں پوچھتے تک قریب رہ کر بھی دور کیوں تھا
وہ رات بے سود کیوں کٹی تھی ـــــ ؟

دیس پردیس

کہاں ہو وادئ سر بن کی سرد سرد ہواؤ
جھلس رہی ہے جوانی تم اپنے پاس بلاؤ

کہاں وہ نغمۂ صحرا، کہاں یہ شورشِ پیہم
کہاں وہ روح کی تسکیں، کہاں یہ جسم کے گھاؤ!

یہ رنگ و بو کا جہنم مجھے جلا کے رہے گا
وہ سادگی کا بہشتِ بریں کبھی تو دکھاؤ

وہ چاندنی کی پھواروں میں بھیگتی ہوئی راتیں
مرے خیال میں سوئی ہیں ان کو آن جگاؤ

میں جن سے عظمتِ الفت کا عہد کر کے چلا تھا
وہ خلوتیں مجھے ایک بار پھر سے یاد دلاؤ

میں تم سے دور، بہت دور رہ رہا ہوں ابھی تک
میں اپنے آپ سے بچھڑا ہوں مجھ کو ڈھونڈنے آؤ

سسک رہا ہے چناروں کے اس طرف مرا ماضی
وہ آ رہی ہیں صدائیں، بچاؤ - کوئی بچاؤ

غزل

پربت پربت گھوم چکا ہوں، صحرا صحرا چھان رہا ہوں
ہر منزل کے حق میں لیکن کافر کا ایمان رہا ہوں

تیرے در پر عمر کٹی ہے پھر بھی کیا انجان رہا ہوں
دنیا بھر کے سجدوں میں اپنے سجدے پہچان رہا ہوں

دور سنہرے گنبد چمکے لیکن گردن کون جھکائے
میں تو جنت بھی کھو کر آزاد منش انسان رہا ہوں

دیکھ میری انمول شرافت لٹ بھی گیا شرمندہ بھی ہوں
جیت بھی اخلاص کی بازی ہار بھی اپنی مان رہا ہوں

ایکٹریس

تھرتھراتی رہی چراغ کی لو ! — اشک پلکوں پہ کانپ کانپ گئے
کوئی آنسو نہ بن سکا تارا — شب کے سایے نظر کو ڈھانپ گئے

کٹ گیا وقت مسکراہٹ میں — قہقہے روح کو پسند نہ تھے
وہ بھی آنکھیں چرا گئے آخر — دل کے دروازے جن پہ بند نہ تھے

سونپ جاتا ہے مجھ کو تنہائی!
جس پہ دل اعتبار کرتا ہے — بنتی جاتی ہوں نخلِ صحرائی

تونے چاہا تو میں نے مان لیا — گھر کو بازار کر دیا میں نے
بیچ کر اپنی ایک ایک امنگ — تجھ کو زردار کر دیا میں نے

اپنی بے چارگی پہ رو رو کر — دل تجھے یاد کرتا رہتا ہے!
قمقموں کے سیہ اجالے میں — جسم فریاد کرتا رہتا ہے!

غزل

غنچوں کا رس، کلیوں کا مَس ایک زمانے کو للچائے
ہائے مگر وہ پھول کہ جس پر کانٹوں کو بھی رونا آئے

آنسو ایک سلگتا آنسو، ضبط کہاں تک ہاتھ بڑھائے
یہ بس حلق سے کیسے اترے، یہ انگارہ کون چبائے

چاند کی مشعل ہاتھ میں لے کر وقت کہاں تک گھوم سکے گا!
رات کا یہ خونیں سناٹا جانے کیا کیا رنگ دکھائے

یوں تیرے ماحول میں ڈھل کر اپنا آپ بھلا بیٹھا ہوں
جیسے ٹوٹے تارے کی ضو، جیسے ڈھلتے چاند کے سایے

راستے کا پھول

نچوڑ لو مرے جواں لبوں کا رس نچوڑ لو!
مرے اُداس اُداس عارضوں کے پھول توڑ لو

نفس نفس میں خوشبوؤں کے جال بن رہی ہوں میں
نظر نظر سے جگنوؤں کے گیت چن رہی ہوں میں
مری جبیں پہ رقص کر رہی ہیں بے حجابیاں!
چھلک رہی ہیں میری بات بات میں گلابیاں!
لپک رہی ہیں مستیاں بدن کی ہر اٹھان سے
لچک رہے ہیں ابروؤں کے خم عجیب شان سے

یہ وقت رائیگاں نہیں ہوس کا نخل سینچ لو
مرا گداز جسم اپنے بازوؤں میں بھینچ لو

مرا بدن ہزار زمزموں کو تولتا رہا!
مرا شباب زندگی کے راز کھولتا رہا!
میں ان گنت جوانیوں سے پھاگ کھیلتی رہی
میں ہر نئے ایاغ میں شراب انڈیلتی رہی
کئی چراغ جل کے میری انجمن میں کھو گئے
ہزاروں گیت خامشی کے بازوؤں پہ سو گئے

نہ جانے کیا کمی تھی میرے حسن کے خمار میں
کہ زندگی نہ مل سکی کسی کو میرے پیار میں

فریب کھا رہی تھی میں فریب کھا رہی ہوں میں
ابھی تک اپنی حسرتوں کو آزما رہی ہوں میں
مذاق سا بنی ہوئی ہوں کائنات کے لئے
پکارتا ہے ہر کوئی بس ایک رات کے لئے
میں سوچتی ہوں بے بسی کا کچھ تو حق ادا کروں
یہ رات بھر کی بھیک آؤ تم کو بھی عطا کروں

نچوڑ لو مرے جواں لبوں کا رس نچوڑ لو!!
مرے اُداس اُداس عارضوں کے پھول توڑ لو

کہانی

کل رات اک رئیس کی باہوں میں جھوم کر
لوٹی جو گھر کسان کی بیٹی بصد ملال!
غیظ و غضب سے باپ کا خوں کھولنے لگا
درپیش آج بھی تھا مگر پیٹ کا سوال

غزل

تمہاری انجمن سے اُٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
جو وابستہ ہوئے تم سے وہ افسانے کہاں جاتے

نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ مے خانہ!
تو ٹھکرائے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے

تمہاری بے رخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے

چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی!!!
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

قتیل اپنا مقدر غم سے بیگانہ اگر ہوتا!
تو پھر اپنے پرائے ہم سے پہچانے کہاں جاتے

البم

یہ میری جوانی کی پہلی کرن ہے
جسے میری تقدیر نے اک تاریک دل میں سجایا
جسے میں نے تاریکیوں سے بچانے کی خاطر پتنگا بنایا
پتنگا بنا کر کسی شمع نو پر گرایا — جلایا
مگر اب وہ شمع فروزاں کہاں ہے

یہ میری محبت کی پہلی خطا ہے
جسے میری انمول عصمت کے گل رنگ سایے نہ بھائے
جسے میں نے اپنے بدن کے گلابی ترانے سنائے
سرِ عام جس کے لئے میں نے گیتوں کے گجرے بنائے
مگر اب وہ گیتوں کا رسیا کہاں ہے

یہ ہنستا ہوا زندہ دل نوجواں ہے
مگر اس کی زندہ دلی کا ہر ایک جذبہ بیکراں مر چکا ہے
مری شوخ چنچل جوانی سے اب اس کا جی بھر چکا ہے
مرے نت بدلتے ہوئے شوقِ بیباک سے ڈر چکا ہے
مگر میں اسے یاد کرتی ہوں اب تک

یہ بھنورے ہیں میری جوانی کے پیاسے

یہ بھنورے مرے پھول سے عارضوں پر لپکتے رہے ہیں
جوانی کا رس چوسنے کو ہمیشہ بلکتے رہے ہیں !!
مرے پاس آکر بھی اکثر مری راہ تکتے رہے ہیں
مگر اب نہ جانے کہاں اڑ گئے ہیں

یہ میری ہوس کا شریکِ سفر ہے
اسے رقص گاہوں کی آرائشوں سے چرایا ہے میں نے
اسے اپنے حسن و جوانی کا تاجر بنایا ہے میں نے
اسے آسماں کی حدوں تک اٹھا کر گرایا ہے میں نے
مگر اب مجھے اس پہ رحم آ رہا ہے !

یہ وہ ہے جسے میں نے چھپ چھپ کے پوجا
یہ بھوکے وطن کا ہوس کار انساں، یہ سادہ سلونا
بنایا تھا جس کے لئے میں نے انگڑائیوں کا بچھونا !
جوانی کی نادانیوں سے بنی جس کی خاطر کھلونا
وہی دیوتا اب کہاں جا چھپا ہے

یہ نو عمر — یہ نو گرفتار پنچھی
یہ بھولا مسافر، یہ گیتوں میں، سپنوں میں کھویا ہوا سا
یہ آزاد انساں محبت کے چھینٹوں سے دھویا ہوا سا
اسے دیکھنا چاہتی ہوں ابد تک میں سویا ہوا سا
مگر تابہ کے یہ بھی سوتا رہے گا !

بانجھ!

کتنے ہی سال ستاروں کی طرح ٹوٹ گئے
مری گودی میں کوئی چاند جنم لے نہ سکا
ٹکٹکی باندھ کے افلاک پہ روئی برسوں!
آج تک کوئی بھی واپس مرا غم لے نہ سکا!
وہ زمیں جو کوئی پودا نہ اگل سکتی ہو!
قاعدہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جاتا ہے!
گھر میں ہر روز یہی ذکر، یہی شور سنا!
شاخ ٹوٹے تو اُسے توڑ دیا جاتا ہے!

مجھے ہاتھوں پہ اٹھالے، مجھے مایوس نہ کر
اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں سجالے مجھ کو
اپنے احسان کے صلے میں مرا جوبن لے لے
(کر دیا سب نے مقدر کے حوالے مجھ کو)

ایک، دو، تین — کہاں تک کوئی گنتا جائے
ان گنت سانس مہکتے ہیں مرے سینے پر
مرے لب پہ کوئی نغمہ، کوئی فریاد نہیں
لوگ انگشت بدنداں ہیں مرے جینے پر

کتنے ہاتھوں نے ٹٹولا مری تنہائی کو!
کوئی جگنو، کوئی موتی، کوئی تارا نہ ملا!
کتنے جھولوں نے جھلایا مرے ارمانوں کو
دل میں سوئی ہوئی تمنا کو سہارا نہ ملا!

کل بھی خاموش تھی میں، آج بھی خاموش ہوں میں
میرے ماحول میں طوفان نہ آیا کوئی!
کتنے ارمان مٹے ایک تمنا کے لئے
گھر لٹانے پہ بھی مہمان نہ آیا کوئی!

کتنے ہی سال ستاروں کی طرح ٹوٹ گئے!

غزل

آنکھوں میں سوال ہو گئی ہے
اب زیست وبال ہو گئی ہے

وہ چوٹ جو دل سے بھی چھپائی
اب تیرا خیال ہو گئی ہے

نظروں پہ پھسلتی رکتی صورت
رقصِ خد و خال ہو گئی ہے

وہ ایک نگاہ سرسری سی
ہر شے کا مآل ہو گئی ہے

آتی نہیں راہ پر طبیعت
شاید کہ بحال ہو گئی ہے!

کھلونا

اڑا اڑا سا رنگ ہے!
وہ آ رہی ہے جس طرح کٹی ہوئی پتنگ ہے
نڈھال انگ انگ ہے!

عجیب رنگ ڈھنگ ہے
ایاغ ہے، نہ باغ ہے، رباب ہے نہ چنگ ہے
ندامتوں میں جنگ ہے!

بجھی بجھی اُمنگ ہے!
یہ رات طویل ہے، وہ رہ گزار تنگ ہے
ان الجھنوں پہ دنگ ہے

کدھر مڑے ....؟
کہاں چلے ....؟

آئینے کے سامنے

ترے شبستاں کی نکہتوں میں ہزاروں سانسیں مہک رہی ہیں
مگر تری سیج کا کوئی داغ ، کوئی گل مطمئن نہیں ہے !
اگرچہ کتنے جسیم سایے گھلے ہیں بستر کی سلوٹوں میں
مگر ترے بے کراں ارادوں کا کوئی بھی سال وسن نہیں ہے

کھلے کواڑوں کے بند ہونٹوں میں دفن ہیں بے حساب نغمے
مگر ترے ساز نے کسی گیت کا کبھی ساتھ بھی دیا ہے ؟
کھلے رہے ہیں ہزاروں آغوش صبح ہونے کے بعد تک بھی
مگر ترے حسن نے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ بھی دیا ہے ؟

کبھی تصور کے دائرہ کو کچھ اور پھیلا کے دیکھ لینی
کہ ابتدائے شباب کا اولیں کرشمہ جواں ہے اب تک
تری امنگوں کا گرم لاوا جو کسمسا کر ابل پڑا تھا !
ترے شبستاں کی شعبدہ بازیوں میں شعلہ فشاں ہے اب تک

غزل

نگاہوں میں چمک، دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں
کہ تیرے بس میں اپنی زندگی محسوس کرتا ہوں

تھکا دیتی ہیں جب کونین کی پہنائیاں مجھ کو!
ترے در پر پہنچ کر تازگی محسوس کرتا ہوں

بہ مجبوری مقدّر کے افق سے جھانکنے والے
تری آنکھوں میں اک شرمندگی محسوس کرتا ہوں

جوانی کو سزائے لذتِ احساس دے دینا
میں اس حد پر خدا کو آدمی محسوس کرتا ہوں

شبِ آخر فلک پر ٹمٹما کر ڈوبتے تارے
میں اپنے ساتھ تیرا درد بھی محسوس کرتا ہوں!

غزل

انگڑائی پہ انگڑائی لیتی ہے رات جدائی کی
تم کیا سمجھو، تم کیا جانو بات مری تنہائی کی

کون سیاہی گھول رہا تھا وقت کے بہتے دریا میں
میں نے آنکھ جھپکی دیکھی ہے آج کسی ہرجائی کی

ٹوٹ گئے سیال نگینے، پھوٹ بہے رخساروں پر
دیکھو! میرا ساتھ نہ دینا بات ہے یہ رسوائی کی

وصل کی رات نہ جانے کیوں اصرار تھا ان کو جانے پر
وقت سے پہلے ڈوب گئے تاروں نے بڑی دانائی کی

اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی!

ترے تبسم کے سرد شعلوں کی زد میں آتی رہی ہے دنیا!
ہلال و خنجر، صلیب و زنار تیرے ہونٹوں سے جل چکے ہیں
تعیناتِ حدودِ کونین بارہا تو نے توڑ ڈالے!
ترے بدلتے ہوئے تقاضے ہر ایک سانچے میں ڈھل چکے ہیں

یہ آئینہ کا اُداس چہرہ تجھے تسلی نہ دے سکے گا!
اَب آئینہ توڑ دے کہ تری نظر نہ یہ بار سہہ سکے گی
کئی مراحل، کئی فسانے ابھی ترے انتظار میں ہیں!
یونہی چلی چل وگرنہ تیری یہ سیج قائم نہ رہ سکے گی

راکھ

وہی خرام ناز ہے تو بانکپن کہاں گیا؟
لبوں پہ جو چہک رہا تھا وہ چمن کہاں گیا؟
مجھے بنا رہی ہے تو!

وہی ہیں گیسوؤں کے خم تو یہ غبار کس لئے؟
بجھی بجھی سی خوشبوؤں میں انتشار کس لئے؟
فریب کھا رہی ہے تو!

اگر وہی ہے سادگی تو جسم کیوں نڈھال ہے؟
رواں رواں ہے مضمحل، اداس بال بال ہے؟
جنہیں چھپا رہی ہے تو!

اگر وہی غرور ہے، تو یہ جھکی نگاہ کیوں؟
لبوں کی جنبشوں میں یہ رُکی رُکی سی آہ کیوں؟
کہاں سے آرہی ہے تو!

ترا جمالِ زر پرست یکجھ تو کام کر گیا!
ترا غرور بک گیا، مرا خلوص مر گیا!
کسے منا رہی ہے تو!

غزل

صدمے جھیلوں، جان پہ کھیلوں اس سے مجھے انکار نہیں ہے
لیکن تیرے پاس وفا کا کوئی بھی معیار نہیں ہے!

یہ بھی کوئی بات ہے آخر دور ہی دور رہیں متوالے
ہرجائی ہے چاند کا جوبن، یا پنچھی کو پیار نہیں ہے

اک ذرا سا دل ہے جس کو توڑ کے بھی تم جا سکتے ہو!
یہ سونے کا طوق نہیں، یہ چاندی کی دیوار نہیں ہے

ملاحوں نے ساحل ساحل موجوں کی توہین تو کر دی!
لیکن پھر بھی کوئی بھنور تک جانے کو تیار نہیں ہے

پھر سے وہی سیلابِ حوادث، جانے دو اے ساحل والو!
یا اس بار سفینہ ڈوبا، یا اب کے منجدھار نہیں ہے!

قیدِ قفس کے بعد کرے گا قیدِ گلستاں کون گوارا!
اب بھی وہی زنجیریں ہیں گو پہلی سی جھنکار نہیں ہے

پڑوسی

محبّتوں کی عبادت کا دور ختم ہوا
مسرتوں کے ہیولے جھجک کے تھم سے گئے
ہوس کا رُوپ کچھ ایسا خلا میں لہرایا!
جوانیوں کے بگولے بدن میں جم سے گئے
وہ حسرتیں، وہ امنگیں، خیال و خواب ہوئیں
نظر اٹھی، تو ہم ان سے گئے وہ ہم سے گئے

دلوں کے گرم تقاضے غبار بن کے اڑے
وفائیں ہانپ گئیں زر نواز راہوں میں
لچک کے ٹوٹ گئے اشتیاق کے جھولے
رہے نہ شوخ بلاوے گداز باہوں میں
لبوں پہ ناچتی شوخی نے ساتھ چھوڑ دیا!
سمٹ کے رہ گئے شکوے گلے نگاہوں میں

کبھی نگاہ میں جگنو سے رقص کرتے تھے
مگر خیال میں شعلے سے اب بھڑکتے ہیں

کبھی جبیں پہ ستارے سے جگمگاتے تھے
مگر دماغ میں کوندے سے اب لپکتے ہیں
کبھی رگوں میں رواں تھے بہشت کے جھونکے
مگر لہو میں جہنم سے اب دہکتے ہیں!

مری اُداس جوانی کے خواب بازوں نے
بدل بدل کہ بنائیں ہزار تعبیریں
کبھی حسین اجالوں سے تیرگی پھوٹی!
کبھی اجاڑ اندھیروں نے دی ہیں تنویریں
اسی کشاکشِ بیم و رجا کی حدّت سے
پگھل گئیں مرے خوابوں کی نرم زنجیریں

مجنوں کی ہوس بھی خرید سکتی ہے!
مرے شکوک کو تو نے ہزار چند کیا!
مرے غرور کا آئینہ توڑنے والے!
تری خوشی نے مرے دل کو دردمند کیا
مگر نہیں مرے دل کو گلہ نہیں تجھ سے
اصول یہ ہے کہ "جس نے جسے پسند کیا"

جھجک جھجک کے نہ چل میرے پاس آتے ہوئے
کہ میں نے تجھ کو پکارا نہیں حقارت سے
مرے خلوص کی میّت ہے منتظر تیری!
اسے کفن کی طلب ہے تری امارت سے
مری وفاؤں کے آنسو کبھی نہ الجھیں گے!
ترے لباس کی گاتی ہوئی حرارت سے

مرا غرور بس اک چاند تھا سو وہ بھی گیا!
پرائے گھر میں کھلی چاندنی سے کیا لینا!
مری حیات کبھی مجھ پہ ناز کرتی تھی!
اب اس بلکتی ہوئی زندگی سے کیا لینا!
ترے نشاط کا ساماں تجھے مبارک ہو
مجھے شباب کی اس دل لگی سے کیا لینا!

غزل

احترام لب و رخسار تک آپہنچے ہیں
بوالہوس بھی مرے معیار تک آپہنچے ہیں

جو حقائق تھے وہ اشکوں سے ہم آغوش ہوئے
جو فسانے تھے وہ سرکار تک آپہنچے ہیں!

کیا وہ منظر دل کو جھروکے میں معلّق کردیں
جو ترے سایۂ دیوار تک آپہنچے ہیں!

اپنی تقدیر کو روتے ہیں ساحل والے
جن کو آنا تھا وہ منجدھار تک آپہنچے ہیں

اب تو کھل جائے گا شاید تری الفت کا بھرم
اہلِ دل جرأت اظہار تک آپہنچے ہیں

ایک تم ہو کہ خدا بن کے چھپے بیٹھے ہو!
ایک ہم ہیں کہ لبِ دار تک آپہنچے ہیں!

اکتاہٹ

روشنی نہیں ہے دور دور تک
خامشی ہے مے کدے سے طور تک
یہ اُداس رات کی سیاہیاں
یہ میرے نصیب کی سیاہیاں
آسماں بلند ہے تو کیا کروں
کاش میں کبھی تمہیں دکھا سکوں
نیند ہے، نہ چاند ہے، نہ جام ہے
زندگی کی تیغ بے نیام ہے
حسرتوں کا باغ باغ اجڑ گیا!
ایک ایک ہم سفر بچھڑ گیا!
مشعلیں نہیں تو یہ چراغ کیوں؟
زندگی پہ کوئی تازہ داغ کیوں؟
روشنی نہیں ہے دور دور تک
خامشی ہے مے کدے سے طور تک

جاؤ مجھ کو چھوڑ دو!
بربطوں کو توڑ دو!
نیند آکے ٹل گئی!
شمع کب کی جل گئی!
ہائے میری پستیاں!
کچھ اجاڑ بستیاں!
پیاس کیا بجھاؤ گے!
آس کیا بندھاؤ گے
پھول اب کھلیں گے کیا
دوست اب ملیں گے کیا
راہ بھول جاؤں گا!
چاہ بھول جاؤں گا!
جاؤ مجھ کو چھوڑ دو
بربطوں کے تار توڑ دو

لڑھکتا پتھر

روشنی ڈوب گئی چاند نے منہ ڈھانپ لیا
اب کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی مجھ کو
میرے احساس میں کہرام مچا ہے لیکن!
کوئی آواز سنائی نہیں دیتی مجھ کو!

رات کے ہاتھ نے کرنوں کا گلا گھونٹ دیا
جیسے ہو جائے زمیں بوس شوالا کوئی!
یہ گھٹا ٹوپ اندھیرا، یہ گھنا سناٹا
اب کوئی گیت ہے باقی نہ اجالا کوئی

جس نے چھپ چھپ کے جلایا مری امیدوں کو
وہ سلگتی ہوئی ٹھنڈک مرے گھر تک پہنچی!
دیکھتے دیکھتے سیلابِ ہوس پھیل گیا!
موجِ پایاب ابھر کر مرے سر تک پہنچی

مرے تاریک گھروندے کو اداسی دے کر
مسکراتے ہیں دریچوں میں اشارے کیا کیا
اف یہ امید کا مدفن، یہ محبت کا مزار
اس میں دیکھے ہیں تباہی کے نظارے کیا کیا

جس نے آنکھوں میں ستارے سے کبھی گھولے تھے
آج احساس پہ کاجل سا بکھیرا اس نے
جس نے خود آکے ٹٹولا تھا مرے سینے کو
لے لیا غیر کے پہلو میں بسیرا اس نے

وہ تلون کہ نہیں جس کا ٹھکانہ کوئی!
اس کے انداز کہن آج نئے طور کے ہیں
وہی بیباک اشارے، وہی بھڑکے ہوئے گیت
کل مرے ہاتھ بکے، آج کسی اور کے ہیں

یہ جھلکتا سا، چھلکتا سا، ابلتا سینہ
اس کی معیاد ہے دو روز لپٹنے کے لئے
زلف بکھری ہوئی بکھری تو نہیں رہ سکتی
پھیلتا ہے کوئی سایہ تو سمٹنے کے لئے

غزل

ذکر مرا اور تیرے لب پر، یاد مری اور تیرے دل میں؟
جھوٹی آس دلانے والے، آگ نہ بھڑکا میرے دل میں

مجھ سے آنکھیں پھیر کے تو نے یہ مشکل بھی آسان کر دی
ورنہ تیرے غم کے بدلے لیتا کون بسیرے دل میں

پیار بھری امیدوں پر، اغیار کی وہ زر پوش نگاہیں!
کانٹوں کے پیوند لگا کر تو نے پھول بکھیرے دل میں

پوچھ رہی ہے دنیا مجھ سے وہ ہرجائی چاند کہاں ہے؟
دل کہتا ہے غیر کے بس میں، میں کہتا ہوں میرے دل میں

کاش کبھی سفاک زمانہ، میرا سینہ چیر کے دیکھے!
چین کے بدلے درد نے اب تو ڈال دیئے ہیں ڈیرے دل میں

ڈرتے ڈرتے سوچ رہا ہوں وہ میرے ہیں اب بھی شاید
ورنہ کون کیا کرتا۔ ہے یوں پھیروں پر پھیرے دل میں

پیار کی پہلی منزل پر انجان مسافر دیکھ رہا ہے!
آنکھوں میں سنگین اُجالے، اور سیال اندھیرے دل میں

اجڑی یادو، ٹوٹے سپنو، شاید کچھ معلوم ہو تم کو!
کون اٹھاتا ہے رہ رہ کر ٹیسیں شام سویرے دل میں

آج اور کل

جب چھلکتے ہیں زر و سیم کے گاتے ہوئے جام
ایک زہراب سا ماحول میں گھل جاتا ہے !
کانپ اٹھتا ہے تہی دست جوانوں کا غرور
حسن جب ریشم و کمخواب میں تل جاتا ہے !

میں نے دیکھا ہے کہ افلاس کے صحراؤں میں
قافلے عظمت احساس کے رک جاتے ہیں!
بیکسی گرم نگاہوں کو جھلس دیتی ہے !
دل کسی شعلۂ زرتاب سے پھک جاتے ہیں

جن اصولوں سے عبارت ہے محبت کی اساس
ان اصولوں کو یہاں توڑ دیا جاتا ہے !
اپنی سہمی ہوئی منزل کے تحفظ کے لئے
رہ گزاروں میں دھواں چھوڑ دیا جاتا ہے

میں نے جو راز زمانے سے چھپانا چاہا
تو نے آفاق پہ اس راز کا در کھول دیا!
میری باہوں نے جو دیکھے تھے سنہرے سپنے
تو نے سونے کی ترازو میں انہیں تول دیا!

آج افلاس نے کھائی ہے زر و سیم سے مات
اس میں لیکن ترے جلوؤں کا کوئی دوش نہیں!
یہ تغیر اسی ماحول کا پروردہ ہے !
اپنی بے رنگ تباہی کا جسے ہوش نہیں

رہ گزاروں سے کے دھند لکے تو ذرا چھٹ جائیں
اپنے تلووں سے یہ کانٹے بھی نکل جائیں گے
آج اور کل کی مسافت کو ذرا طے کر لیں !
وقت کے ساتھ ارادے بھی بدل جائیں گے

غزل

سکونِ دل تو کہاں، راحتِ نظر بھی نہیں
یہ کیسی بزم ہے جس میں ترا گذر بھی نہیں

بھٹک رہا ہے زمانہ گھنے اندھیرے میں
وہ رات ہے جسے اندیشۂ سحر بھی نہیں

نہ جانے کون سی منزل کو لے چلے ہم کو
وہ ہم سفر جو حقیقت میں ہم سفر بھی نہیں

تری نگاہ کا دل کو یقیں سا ہے۔ ورنہ
سنی ہے بات کچھ ایسی کہ معتبر بھی نہیں

آج افلاس نے کھائی ہے زر و سیم سے مات
اس میں لیکن ترے جلوؤں کا کوئی دوش نہیں!
یہ تغیر اسی ماحول کا پروردہ ہے!
اپنی بے رنگ تباہی کا جسے ہوش نہیں

رہ گزاروں کے دھندلکے تو ذرا چھٹ جائیں
اپنے تلووں سے یہ کانٹے بھی نکل جائیں گے
آج اور کل کی مسافت کو ذرا طے کر لیں!
وقت کے ساتھ ارادے بھی بدل جائیں گے

غزل

سکونِ دل تو کہاں، راحتِ نظر بھی نہیں
یہ کیسی بزم ہے جس میں ترا گذر بھی نہیں

بھٹک رہا ہے زمانہ گھنے اندھیرے میں
وہ رات ہے جسے اندیشۂ سحر بھی نہیں

نہ جانے کون سی منزل کو لے چلے ہم کو
وہ ہم سفر جو حقیقت میں ہم سفر بھی نہیں

تری نگاہ کا دل کو یقیں سا ہے۔ ورنہ
سنی ہے بات کچھ ایسی کہ معتبر بھی نہیں

رہگزر

پھر وہی بڑھتے ہوئے، رُکتے ہوئے قدموں کی چاپ
پھر وہی بہکی ہوئی، جھکی ہوئی سی آہٹیں
پھر وہی سہمی ہوئی، سمٹی ہوئی سرگوشیاں
پھر وہی گاتی سی لہراتی سی کچھ مدہوشیاں

زندگی طوفان تھی سیلاب تھی، بھونچال تھی
قافلے اس راہ پر آتے رہے جاتے رہے
وقت پھر بھی کروٹوں پر کروٹیں لیتا رہا
راہبر سب کو مسافت کا صلہ دیتا رہا!

وہ تبسم جس کو روتے ہیں کئی اُجڑے سہاگ
وہ نظر جو کل تلک ہر جسم کو ڈستی رہی
بن رہا ہے اک لچکتا خار اپنے پاؤں میں
آج ستانے لگی ہے مصلحت کی چھاؤں میں

کتنی امیدوں کے مدفن اس کے ہاتھوں بن چکے
آہ یہ مقتل کہ جس کی پاسبانی کے لئے
کتنے ارمانوں کے لاشے اس نے خود کفنائے ہیں
کتنے مستقبل فنا کے دوش پر لہرائے ہیں

کلفتوں سے تنگ آکر بیخودی کی کھوج میں
راہبر سب کو مسافت کا صلہ دیتا رہے
قافلے اس راہ پر آتے رہیں جاتے رہیں
راہرو اپنے تجسس کا صلہ پاتے رہیں

غزل

جب بھی کوئی ادا تری بھا گئی مجھے
اپنی تباہیوں پہ ہنسی آ گئی مجھے

وہ آرزو کہ جس کی مروت کا زعم تھا
دل سے نکل کے اور بھی تڑپا گئی مجھے

ممکن ہے اس سے موت بھی گوش آشنا نہ ہو
جو بات بے رخی تری سمجھا گئی مجھے

اپنی نظر بھی اب مجھے پہچانتی نہیں!
شاید تری نگاہ کرم کھا گئی مجھے!

ردِّ عمل

اے گداگر! مجھے ایمان کی سوغات نہ دے
مجھ کو ایمان سے اب کوئی سروکار نہیں!
میں نے دیکھا ہے ان آنکھوں سے مروت کا مآل
مجھ کو اب مہر و محبت سے کوئی پیار نہیں!
میں نے انسان کو چاہا بھی تو کیا پایا ہے
اب مرا کفر خدا کا بھی طلبگار نہیں!
جا کسی اور سے ایمان کا سودا کر لے!
میں تری نیک دعاؤں کا خریدار نہیں

اے گداگر مجھے ایمان کی بخشش کے عوض
یہ دعا کیوں نہیں دیتا کہ میں زردار بنوں
بیچ ڈالوں سر بازار ضمیر و ہستی
اور احساس کی ذلت کا علمدار بنوں
آدمیت کا گلا کاٹ کے عزت پاؤں
ظلم کے سایے میں راحت کا طلبگار بنوں
روز روشن میں یتیموں کے گھروندے لوٹوں
اور بیواؤں کی دولت کا پرستار بنوں

اے گداگر مجھے حیران نگاہوں سے نہ دیکھ
میرا کچلا ہوا احساس یہی کہتا ہے!
دیکھ ان شنگرفی چہروں کے شفق رنگ خطوط
جن سے مجبور گھرانوں کا لہو بہتا ہے!
دیکھ ان اونچے مکانات کے تہہ خانوں کو
جن کی ہر سانس میں زہراب گھلا رہتا ہے
دیکھ ایمان کی گرتی ہوئی دیوار دل کو
جن کی تعمیر میں انسان ستم سہتا ہے!

اے گداگر مجھے ایمان سے کیا لینا ہے!
اس سے مفلس کی قبا تک بھی نہیں سل سکتی

یہ جواں جسم، یہ بھرپور نگاہیں، یہ سرور
فکر انسان بجز ان کے نہیں کھل سکتی!
چار دن عیش سے جینا ہے مجھے بھی لیکن
ہٹ کے دولت سے کوئی چیز نہیں مل سکتی
اور دولت وہ شکنجہ ہے کہ جس میں پھنس کر
ہم تو کیا سطوتِ یزداں بھی نہیں ہل سکتی

حالات کی اس دورنگی میں کیا ساتھ ہمارا ان کا
گرداب ہماری قسمت میں، شاداب کنارا ان کا

ہم ان کی آنکھوں سے دنیا دیکھ رہے ہیں، ورنہ
ایک ایک جھروکہ ان کا ہے، ایک ایک نظارا ان کا

ہر ٹیس کے بعد کلیجے میں یہ ٹھنڈک ہلکی ہلکی!
احساس میں گھل مل جاتا ہے دُکھ پیارا پیارا ان کا

جو داغ جگر پر ابھرے تھے وہ آنسو بن کر ٹپکے
یوں بھیگی پلکوں نے ایک ایک احسان اتارا ان کا

یہ بات جدا ہے آنکھوں کی خاموشی چیخ اٹھے گی!
اس دل کو ورنہ آج بھی ہے ہر ظلم گوارا ان کا

آج کی باتیں کل کے سپنے

جب بھی تنہا مجھے پاتے ہیں گزرتے لمحے!
تیری تصویر سی راہوں میں بچھا جاتے ہیں
میں کہ راہوں پہ بھٹکتا ہی چلا جاتا ہوں!
مجھ کو خود میری نگاہوں سے چھپا جاتے ہیں

میرے بے چین خیالوں پہ ابھرنے والی
اپنے خوابوں سے نہ بہلا میری تنہائی کو
جب تری سانس مری سانس میں تحلیل نہیں
کیا کریں گی مری باہیں تری انگڑائی کو

جب خیالوں میں ترے جسم کو چھو لیتا ہوں
زندگی شعلۂ ماضی سے جھلس جاتی ہے!
جب گزرتا ہوں غم حال کے ویرانے سے!
میرے احساس کی ناگن مجھے ڈس جاتی ہے

ہم سفر تجھ کو کہوں یا تجھے رہزن سمجھوں!
راہ میں لا کے مجھے چھوڑ دیا ہے، تو نے
ایک وہ دن کہ ترا پیار بسا تھا دل میں
ایک یہ وقت کہ دل توڑ دیا ہے تو نے

ماضی وحال کی تفریق، وہ قربت، یہ فراق
پیار گلشن سے چلا آیا ہے زندانوں میں!
بے زری اپنی صداقت کو پرکھتی ہی رہی
تل گیا حسن زر و سیم کے میزانوں میں!

غیر سے ریشم و کمخواب کی راحت پا کر!
تو مجھے یاد کبھی آئے گی تو کیا آئے گی؟
ایک مستقبل زرّیں کی تجارت کے لئے
تو محبت کے تقدس کو بھی ٹھکرائے گی

اور میں پیار کی تقدیس پہ مرنے والا
درد بن کر تیرے احساس میں بس جاؤں گا
وقت آئے گا تو اخلاص کا بادل بن کر
تیری جھلسی ہوئی راتوں پہ برس جاؤں گا

غزل

اے دیدۂ گریاں کیا کہیے اس پیار بھرے افسانے کو
اک شمع جلی بجھنے کے لئے، اک پھول کھلا مرجھانے کو

میں اپنے پیار کا دیپ لئے آفاق میں ہر سو گھوم گیا!
تم دور کہیں جا پہنچے تھے آکاش پہ جی بہلانے کو

وہ پھول سے لمحے بھاری ہیں اب یاد کے نازک شانوں پر
جو پیار سے تم نے سونپے تھے آغاز میں اک دیوانے کو

اک سانس فنا ہو جانے سے اک جشن تو برپا ہوتا ہے
یوں تنہا جلنا ٹھیک نہیں سمجھائے کوئی پروانے کو

میں رات کا بھید تو کھولوں گا جب نیند نہ مجھ کو آئے گی
کیوں چاند ستارے آتے ہیں ہر رات مجھے سمجھانے کو

داشتہ

جب تک چہرے کی شریانیں سُرخ لہو دوڑاتی ہیں
جب تک ہلکی ہلکی سانسیں ہونٹوں کو گرماتی ہیں!
جب تک آم کی میٹھی قاشیں ہونٹ دکھائی دیتے ہیں
جب تک تھنوں میں تاروں کے گیت سنائی دیتے ہیں
جب تک اجلے ماتھے پر بلور کا دھوکا ہوتا ہے!
جب تک پلکوں کے سایے میں ذہن کسی کا سوتا ہے!
جب تک انگڑائی سے چھاتی پر الماس نکھرتے ہیں
جب تک شانوں پر کالے ریشم کے ڈھیر بکھرتے ہیں
جب تک چال کی تال پہ راہیں چھمک چھمک لہراتی ہیں
جب تک باہوں کے گھیرے میں کرنیں جھوم کے آتی ہیں
جب تک پھولوں کی سیجوں پر اپنا رین بسیرا ہے
یہ جاگیریں، یہ کاریں، یہ چاندی سونا میرا ہے

لیکن کب تک، یہ جاگیریں، یہ کاریں، یہ جھنکاریں
جوبن ڈھل جائے تو نظریں بن جاتیں ہیں تلواریں
چہرے کی شادابی گھل کر خون کی لالی بنتی ہے!
پیار کی بات لبوں پر آکر کڑوی گالی بنتی ہے!

آم کی میٹھی قاشیں روپ بدل کر زہر پلاتی ہیں
نیّنوں کی سب راگنیاں چیخوں کے شہر بساتی ہیں
اجلے اجلے ماتھے کے بلور میں بال آجاتا ہے!
پلکوں کے البیلے سایے میں بھونچال آجاتا ہے
انگڑائی سے چھاتی کے الماس پگھل سے جاتے ہیں
ریشم کے ڈھیروں میں زہریلے پھندے بل کھاتے ہیں
کب تک چال کی تال پہ کوئی چھمک چھمک لہرائے گا
کب تک باہوں کے گھیرے میں کوئی جھوم کے آئے گا
ہنسی خوشی ان محلوں میں جی لینا کوئی کھیل نہیں
اس ماحول میں سرمائے کا پیار سے کوئی میل نہیں
سرمائے کی اس منڈی میں جب سودے چک جاتے ہیں
پھول سے چہرے ارمانوں کے شعلوں سے پھک جاتے ہیں
اس منڈی میں پیار کا یوں نیلام اٹھایا جاتا ہے
ہر دو کوڑی والے کو فرعون بنایا جاتا ہے
جسم کی لذت ننگی ہو ہو کر جی کھول کے بکتی ہے
بکنے والی جنس یہاں خود منہ سے بول کے بکتی ہے
نئی نئی سونے چاندی کی حوریں ڈھالی جاتی ہیں
زر داروں کے محلوں میں کچھ بھیڑیں پالی جاتی ہیں

ٹمپل روڈ

رنگ رنگیلے محل دو محلے جگمگ جگمگ جاگ رہے ہیں
جس میں رہنے والے اپنی میٹھی نیندیں تیاگ رہے ہیں
ایک محل کا جھوم جھاکر ڈگمگ ڈگمگ ڈول رہا ہے!
جس میں اک سونے کا پنچھی اڑنے کو پر تول رہا ہے!
ایک حویلی چھنن چھنن چھن پائل گت پر ناچ رہی ہے
موتی چگنے والی چڑیا جس کی چھت پر ناچ رہی ہے
ایک دریچہ سانسوں کے گرمیلے پن سے ہانپ رہا ہے
جس کے پائیں باغ کا منظر اپنا چہرہ ڈھانپ رہا ہے
ایک جھروکہ روشنیوں کے فوارے سے چھوڑ رہا ہے
جس کے بہتے سایوں میں اک پردیسی دم توڑ رہا ہے
رات کی چلتی گاڑی کے چمکیلے پہیے بھاگ رہے ہیں
رنگ رنگیلے محل دو محلے جگمگ جگمگ جاگ رہے ہیں

دردِ مشترک

میں نے جو ظلم کبھی تجھ سے روا رکھا تھا!
آج اسی ظلم کے پھندے میں گرفتار ہوں میں
میں نے جو تیر ترے ہاتھ سے چھینا تھا کبھی
آج اُسی تیر کے گھاؤ سے نگوں سار ہوں میں
جس کی خاطر تری ذلت بھی گوارا تھی مجھے
آج اسی "پیکرِ عصمت" کا خطاوار ہوں میں
مری آنکھوں نے جسے چاند کہا تھا کل تک
آج اسی شعلۂ پرّاں سے عرق بار ہوں میں
تو نہ چاہے بھی تو آفاق ہنسے گا مجھ پر
وقت کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی تلوار ہوں میں

میں نے چاہا تھا کہ انسان کی عظمت کے لئے
ایک مظلوم جوانی کو سہارا دے دوں!
ایک ٹھکرائے ہوئے پیار کے صدمے بانٹوں
ایک بھٹکے ہوئے راہی کو اشارہ دے دوں!

ایک جھلسے ہوئے احساس کو ٹھنڈک بخشوں!
اور کونین کو پھر ذوقِ نظارہ دے دوں!

میں نے اخلاص کے پھولوں سے بنائے گجرے
میں نے احساس کے جھولوں میں جھلایا اس کو
میں نے روندی ہوئی راہوں پہ بچھائیں آنکھیں
میں پیغام ستاروں کا سنایا اس کو!
میں نے افلاک کے دریا کا تموج بن کر!
اک نئی آس کے ساحل پہ لگایا اس کو

آج میں سوچ رہا ہوں شبِ تنہائی میں!
کس قدر تلخ جوانی کی لٹی یادیں ہیں!
دیکھ اس دور میں ایوانِ محبت کیلئے
کیسی کیسی غم و اندوہ کی بنیادیں ہیں
کل ترے دیدۂ حیراں سے لہو پھوٹا تھا!
آج میرے لبِ خاموش پہ فریادیں ہیں

یہ محبت، یہ وفائیں، یہ مروت، یہ خلوص
ان کو سرمائے نے بیکار بنا رکھا ہے!
حسن اور حسن کے ہر ایک صنم خانے کو
زر پرستوں نے جفا کار بنا رکھا ہے!
آ کہ اس دور کا معیار بدلنا ہے ہمیں
جس نے ہر ذہن کو بیمار بنا رکھا ہے
آ کہ اس جنس گراں قدر کو بیدار کریں
جس نے ہم سب کو خریدار بنا رکھا ہے
آ کہ اس فتنۂ زرپوش کو عریاں کر دیں
جس نے آفاق کو بازار بنا رکھا ہے

عورت

جب کبھی چاند گھٹاؤں میں گھرا ہوتا ہے
میں ترے کاکل و رخسار میں کھو جاتا ہوں!
جب خلاؤں میں ابھرتی ہے ابابیل کوئی!
میں تری یاد میں بے چین سا ہو جاتا ہوں
جب کبھی آنچ ستاروں کی ستاتی ہے مجھے
تری یادوں کی خنک سیج پہ سو جاتا ہوں!
جب کہیں دور تصور میں نکل جاتا ہو
میں تری زلف میں کچھ اشک پرو جاتا ہوں
حسرتیں مہر بہ لب دیکھ رہی ہیں مجھ کو!
مرے احساس پہ کہرام مچانے کے لئے!
آرزوؤں کی چبھن دل میں گھلی جاتی ہے
مری سوئی ہوئی راتوں کو جگانے کے لئے
ولولے نقش بہ دیوار ہوئے جاتے ہیں
مرے انجام کی تلخی میں سمانے کے لئے
زندگی آئینہ بر دوش کھڑی ہے کب سے
مجھ کو تیری ہی کوئی شکل دکھانے کے لئے

وقت اڑتا ہی چلا جاتا ہے جھونکا بن کر
اور میں تیرے خیالوں سے نکلتا ہی نہیں
کائنات ایک نئے حسن کی ضو مانگتی ہے
اور میں جادۂ انوار پہ چلتا ہی نہیں
روح آلام کی یلغار سے چلّاتی ہے
اور میں پیار کے انداز بدلتا ہی نہیں
تو مرے پیار سے انکار کئے جاتی ہے
اور یہ آس کا پتھر کہ پگھلتا ہی نہیں
تو کہ زرکار جھروکے میں سجی بیٹھی ہے
تجھ کو رسوا سحر و شام کیا جائے گا!
تیرے جلووں کی نمازت میں نہا لینے پر
تیرے ماحول کو بدنام کیا جائے گا!
خلوتِ خاص میں ہونٹوں کی صبوحی پی کر
صبح ہوتے ہی تجھے عام کیا جائے گا!
کھنکھناتی ہوئی جیبوں کے سنا کر نغمے!
تیرے پندار کو نیلام کیا جائے گا!
تو کہ ہر محفلِ رنگیں میں چلی آتی ہے!
اپنے چہرے پہ سیہ رات کا غازہ مل کے!

اپنے آنچل میں چھپائے ہوئے دھڑکن دل کی
اپنی پلکوں پہ سجائے ہوئے سپنے کل کے
ان گنت رنگ ترے چشمۂ عارض میں گھلے
نو بہ نو جام ترے قلب و نظر میں چھلکے
بارہا جسم کا بازار سجایا تو نے!
اُف مگر کوئی خریدار نہ آیا چل کے
تو کہ بازار میں پہلی سی تری قدر نہیں
اتنی ارزاں ہے مگر پھر بھی خریدار کہاں
تیرے ہونٹوں سے ہے عنقا وہ تبسم کی مٹھاس
تیری آواز میں وہ نقرئی جھنکار کہاں
مطلق الحکم جوانی کے وہ انداز گئے!
اب ترے حسن میں پہلی سی وہ للکار کہاں
"نرخ کچھ اور بڑھا دے کہ یہ ارزاں ہو ابھی"
آج وہ جنس کہاں، آج وہ بازار کہاں
تو کہ ماضی کی بہر طور پرستار نہیں!
کیوں گئے وقت کی باہوں پہ گری جاتی ہے
کیوں کسی ڈار سے بچھڑے ہوئے پنچھی کی طرح
آسماں بوس محلات میں کرلاتی ہے!

کیوں زبوں حال شرابی کا بڑھاپا بن کر
اپنے جوبن کی حکایات کو دوہراتی ہے
کیوں کسی بسترِ زرکار پہ کروٹ لے کر
اپنے ٹوٹے ہوئے انگ انگ کو سہلاتی ہے
تو کہ احساس کی رانی ہے ہماری رانی ہے!
تیرا جوبن نہیں در در پہ بھٹکنے کے لئے!
تیرے آنسو نہیں دامن پہ ڈھلک جانے کو
تیری صورت نہیں آنکھوں میں کھٹکنے کے لئے
تیری نظریں نہیں جھک جھک کے بلکنے والی
تیرا لہجہ نہیں باتوں میں اٹکنے کے لئے
تو کسی پیار کے دھوکے میں نہ لانا دل کو
یہ ترے ہاتھ ہیں دامن کو جھٹکنے کے لئے
مجھ کو ہر چند ترے حسن نے دھتکار دیا
لیکن اس دل پہ مرا زور تو چلتا ہی نہیں
جب تلک میں تری یادوں کا نہ جھولا جھولوں
جی کسی طرح جدائی میں بہلتا ہی نہیں!
میں وہ زردار نہیں جس کا گلستانِ حیات
حرص کی آنچ بنا پھولتا پھلتا ہی نہیں

تو مرے پیار سے انکار کئے جاتی ہے !
اور یہ آس کا پتھر کہ پگھلتا ہی نہیں !
میں کہ افلاس کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر
چُور ہوتا ہوں تو روتے ہوئے سو جاتا ہوں
جب مجھے تیری جوانی کا خیال آیا ہے
جانے کیا سوچ کے بے چین سا ہو جاتا ہوں
جب کہیں دُور تصور میں نکل جاتا ہو
میں تری زلف میں کچھ اشک پرو جاتا ہوں
وقت نے مجھ سے تجھے چھین لیا ہے لیکن
میں جیوں گا ترے خوابوں میں سمانے کیلئے
میں جیوں گا تری عظمت کا نگہباں بن کر
میں جیوں گا تجھے ذلت سے بچانے کیلئے
میں ترے دل پہ کوئی آنچ نہ آنے دوں گا
میں بڑھوں گا تجھے سینے سے لگانے کیلئے
زندگی آئینہ بردوش کھڑی ہے کب سے
مجھ کو تیری ہی کوئی شکل دکھانے کے لئے !

زندگی کا ایک ایک داغ مل سکے
یوں ہنسو کہ درد کا سراغ مل سکے

حسرتوں کی تشنگی کسے دکھائیے!
کاش بے طلب کوئی ایاغ مل سکے

تمتما اٹھی ہیں رات کی سیاہیاں!
شاید اب کوئی ہمیں چراغ مل سکے

خار سے اُلجھ کے بھی قریب ہی رہیں
کاش پھول سا ہمیں دماغ مل سکے!

دردِ عشق بھی مزے کی چیز ہے قتیلؔ
گر غمِ حیات سے فراغ مل سکے!

تجدید

وہی جھنکار ۔ وہ ناچتی گاتی تلوار
وہی للکار ۔ وہی پھیلتا بڑھتا سا غبار

وہی سیلاب ۔ وہی سینۂ دریا کی امنگ
وہی گرداب ۔ وہی فطرتِ امواج کی جنگ

وہی طوفان ۔ وہی عزمِ بغاوت کی دلیل
وہی ہیجان ۔ وہی خوف کا احساسِ علیل

وہی تدبیر ۔ وہی زر کا چمکتا ہوا جام
وہی تعبیر ۔ وہی خواب کا پھیلا ہوا دام

وہی پیغام ۔ وہی صلح کا مبہم اقرار
وہی انجام ۔ وہی ریت کی گرتی دیوار

وہی تمہید ۔ وہی کہنہ رسومات کی رٹ
وہی تجدید ۔ وہی پھر سے مراعات کی رٹ

وہی دمساز ۔ وہی روح پہ چلتے نشتر
وہی اعزاز ۔ وہی کھوٹ کے پیلے زیور

وہی قانون ۔ وہی موم کی مڑتی ہوئی ناک
(وہی معجون ۔ وہی شہد میں لپٹی ہوئی خاک)

وہی سوغات ۔ وہی نکتۂ ناقابلِ غور
وہی دن رات ۔ وہی وقت کے بدلے ہوئے تیور

پھر وہی ذکر ۔ کہ یہ چوٹ بھی کھائیں کیونکر
پھر وہی فکر ۔ کہ تلوار اٹھائیں کیونکر

غزل

وہی گیسوؤں کی اڑان ہے، وہی عارضوں کا نکھار ہے
یہ کسی کی شان ورود ہے، کہ مری نظر کا وقار ہے!

تری خود پسند نوازشیں، مرا جی لبھا کے گذر گئیں
مگر اُف یہ دیدۂ مطمئن جو گدائے رہ گزار ہے!

ابھی کونپلوں میں وہ رس کہاں، جو گلوں کا روپ بدل سکے
ابھی گل فروش کے ہاتھ سے، ہمیں احتجاجِ بہار ہے!

مری سادگی کے خلوص نے، تجھے بخش دی وہ برہنگی
جو نفس نفس کی ہے تشنگی، جو نظر نظر کی پکار ہے!

یہی دل فریب تجلیاں مجھے دو جہاں سے عزیز ہوں
مگر اے جمالِ سحر نما، مرا گھر جو تیرہ و تار ہے!

غمِ ذات سے مری زندگی، غمِ کائنات میں ڈھل گئی
کسی بزمِ ناز میں کھو کے بھی مجھے کائنات سے پیار ہے

گیت

باج رہی شہنائی ـ آئی دُلہن نئی نویلی !

دُلہن نئی نویلی

سوامی سمجھے گھونگھٹ پیچھے ہوگا چاند کا ٹکڑا !

گھونگھٹ کے پٹ کھلے تو نکلا مرجھایا سا مکھڑا !

ڈھانپ کے روئے مرجھائے سے مکھڑے کو البیلی

دُلہن نئی نویلی

نئی نویلی کا یہ سواگت ؟ نند نہ ساس نہ دیور !

میکے سے بھی کیا لائی ہے، کھوٹ کے پیلے زیور !

اب کیا کسی سے آنکھ ملائے ؟ سوچے پڑی اکیلی !

دُلہن نئی نویلی

بین کرے یا چین سے سوئے ؟ روئے یا مسکائے

آج تو گزرا کل کیا ہوگا ؟ سوچ سوچ گھبرائے !

جیون کے اس الجھاوے میں بن گئی ایک پہیلی !

دُلہن نئی نویلی !

باج رہی شہنائی ـ آئی دولہن نئی نویلی !

بہلاوے

یہی کفن اوڑھ لو بدن پر سمندر و سنجاب کو بھلا دو!
بجھے چراغوں سے روشنی پاؤ مہر و مہتاب کو بھلا دو!
جو تم نے مانگا تھا مل گیا ہے ہر اک نئے خواب کو بھلا دو
اسی لحد میں جیو مرو گے لحد سے آگے محل نہیں ہے!

یہ رہنماؤں کی تیز گامی جو ہاتھ مل مل کے رو رہی ہے
یہ رہ گزاروں کی دل فریبی جو خون کے بیج بو رہی ہے
یہ اپنی منزل جو منہ بسورے ہوا کے دامن میں سو رہی ہے
تمہیں بتاؤ ضمیرِ انساں، انہیں سہاروں پہ جی رہا تھا

یہ زرد چہروں پہ ہانپتے کانپتے افق پار کے فسانے
یہ سرد آہوں میں کسمساتے ہوئے ندامت کے تازیانے
یہ گرم پیشانیوں کی آنچیں، یہ نرم زلفوں کے شامیانے
افق کے اس پار چلتے جاتے اک اور منزل پہ آ گئے ہیں

ہزار وعدہ بھی ہو تو کیا ہے بھلایوں کوئی بہل سکا ہے
خلاؤں میں تیر مارنے سے کہیں برا وقت ٹل سکا ہے
نگاہ کی خود فریبیوں سے کبھی زمانہ بدل سکا ہے
افق کے اُس پار جانے والو، مرے تجسس کے ہم خیالو

غزل

برسات کی بھیگی رات بھی ہے جذبات کا تیز الاؤ بھی
میں کون سی آگ میں جل جاؤں اے نکتہ ورو سمجھاؤ بھی

ہر چند نظر نے جھیلے ہیں ہر بار سنہرے گھاؤ بھی!
ہم آج بھی دھوکہ کھا لیں گے تم بھیس بدل کر آؤ بھی

گرداب کے خونیں حلقوں سے جب کھیل چکی ہی ناؤ بھی
پتوار بدلنا کیا معنی؟ ملاحوں کو سمجھاؤ بھی!

بے کیف جھکولے کانٹوں کو شاداب تو کیا کر پائیں گے
جو پھول پڑے ہیں راہوں میں ان پھولوں کو مہکاؤ بھی

ہم سے تو جفاؤں کے شکوے تم ہنس کر چھین بھی سکتے ہو
ہم دل کو پشیماں کر لیں گے تم پیار سے آنکھ جھپکاؤ بھی

گل رنگ چراغوں کی لو سے تاریک اُجالے پھوٹ بہے
ہر طاق میں گھور اندھیرا ہے اس رنگ محل کو ڈھاؤ بھی

میرا قلم

مرے قلم سے تقاضا ہے شہریاروں کا
کہ اس کے لب پہ رہے تذکرہ بہاروں کا
اگر کہیں نظر آئیں سلگتے ویرانے
قرار دے انہیں ہمسر گلاب زاروں کا
اگر زمیں پہ بلکتے ہوں خاک کے ذرّے!
گماں ہو ان پہ دمکتے ہوئے ستاروں کا
اگر شباب کے نوحے فضا میں رچنے لگیں
مذاق اڑائے زمانہ ستم کے ماروں کا
اگر کوئی سرِ بازار بھوک سے تڑپے
سنائے ان کو فسانہ خدا کے پیاروں کا

یہ بھولا بھالا تقاضا بجا سہی لیکن
مرے ضمیر کو بندگی قبول نہیں
شرر کو پھول بنانا مجھے نہیں آتا
گھٹا کو زلف سمجھنا مرا اصول نہیں
ترس گئے ہوں اگر ہونٹ مسکرانے کو
تو کس زباں سے کہوں زندگی ملول نہیں

روش روش پہ اگر خار راستہ روکیں
تو کیوں کہوں کہ یہاں سرو ہیں ببول نہیں
مرے قلم نے اگر کوئی بھید کھول دیا!
تو اعتراف کروں گا یہ میری بھول نہیں

مرا قلم مرے جمہور کی امانت ہے!
اسے عوام کی بے چارگی ستاتی ہے
مرے قلم کی زباں کاٹ دی گئی۔ لیکن
مرے قلم کی خموشی بھی گنگناتی ہے
مرے قلم کی رگوں میں وہ خون جولاں ہے
کہ جس سے عظمتِ انساں پہ آنچ آتی ہے

مرا قلم وہ مورخ ہے جس کے سینے میں
غمِ حیات کی تاریخ سرسراتی ہے
مرے قلم کو زمانہ تو کیا خریدے گا
کہ اکثر اس سے مشیت شکست کھاتی ہے

میں خود اسیر سہی، میرا فن اسیر نہیں
مرا قلم کسی جلاد کا ضمیر نہیں

غزل

پریشاں رات ساری ہے ستارو تم تو سو جاؤ!
سکوتِ مرگ طاری ہے ستارو تم تو سو جاؤ!

ہنسو اور ہنستے ہنستے ڈوبتے جاؤ خلاؤں میں
ہمیں یہ رات بھاری ہے ستارو تم تو سو جاؤ

ہمیں تو آج کی شب پو پھٹے تک جاگنا ہوگا!
یہی قسمت ہماری ہے ستارو تم تو سو جاؤ!

تمہیں کیا؟ آج بھی کوئی اگر ملنے نہیں آیا
یہ بازی ہم نے ہاری ہے ستارو تم تو سو جاؤ

کہے جاتے ہو رو رو کر ہمارا حال دنیا سے!
یہ کیسی رازداری ہے ستارو تم تو سو جاؤ

ہمیں بھی نیند آجائے گی ہم بھی سو ہی جائیں گے
ابھی کچھ بے قراری ہے ستارو تم تو سو جاؤ

غزل

چراغ ٹمٹما رہا ہے ظلمتوں کی چھاؤں میں!
کہ جیسے طائرِ قفس گھٹی گھٹی فضاؤں میں

دماغ و دل کے درمیاں رُکے ہوئے سے ولولے
کہ جیسے بیڑیاں پڑی ہوں غازیوں کے پاؤں میں

نویدِ موسمِ بہار ۔ گل بہ گل، چمن بہ چمن!
کہ جیسے عاشقوں کا ذکر، وہ بھی گاؤں گاؤں میں

ترس ترس کے مر رہی ہیں دل ہی دل میں حسرتیں
کہ جیسے بیگماتِ سیم تن حرم سراؤں میں

ہوا میں کونپلوں کی بھینی بھینی سرسراہٹیں
کہ جیسے نوک جھونک ہو رہی ہو اپسراؤں میں

مٹھاس بن گئی ہیں یوں بھی زندگی کی تلخیاں
کہ جیسے کیفِ سرمدی شباب کی خطاؤں میں

غزل

گریباں در گریباں نکتہ آرائی بھی ہوتی ہے
بہار آئے تو دیوانوں کی رسوائی بھی ہوتی ہے

ہم ان کی بزم تک جا ہی پہنچتے ہیں کسی صورت
اگرچہ راہ میں دیوارِ تنہائی بھی ہوتی ہے

بکھرتی ہے وہی اکثر خزاں پرور بہاروں میں
چمن میں جو کلی پہلے سے مرجھائی بھی ہوتی ہے

بنامِ کفر و ایماں بے مروّت ہیں جہاں دونوں
وہاں شیخ و برہمن کی شناسائی بھی ہوتی ہے

چمکتی ہے کوئی بجلی، تو شمعِ رہ گزر بن کر!
نگاہِ برہم ان کی کچھ تو شرمائی بھی ہوتی ہے

فتیلؔ اس دم بھی رہتا ہے یہی احساسِ محرومی
جب ان شانوں پہ زلفوں کی گھٹا چھائی بھی ہوتی ہے

غزل

کچھ محبّت کے غم، کچھ زمانے کے غم
یوں بھی ناشاد ہم، یوں بھی ناشاد ہم

زندگی کا سفر ہے کہ وعدہ ترا!
جس جگہ سے اٹھے تھے وہیں ہیں قدم

کون جانے ملاقات پھر ہو نہ ہو!
آج ہی کیوں نہ کھالیں فریبِ کرم

دل کی دوری تو ہے کھیل تقدیر کا
فاصلے کیا نظر کے بھی ہوں گے نہ کم

مجھ کو اب تک خدا سے ہے شرمندگی
اے صنم خانۂ دل کے پہلے صنم

کچھ تو ہوں گی محبّت کی مجبوریاں
کون سہتا ہے ورنہ کسی کے ستم

ہم قتیلؔ اپنی دھن میں نہ کچھ سن سکے
روکتے رہ گئے ہم کو دیر و حرم

غزل

برس رہی ہیں فضا میں حسین تنویریں
چلو کہ ہم بھی کسی طور کا جگر چیریں

کسی میں تیرے خد و خال کا جمال نہ تھا
بنا بنا کے مٹاتا رہا ہوں تصویریں

دکھا گیا کوئی ہاتھوں پہ رات رنگِ حنا
اس ایک خواب میں کیا کیا چھپی ہیں تعبیریں

جدھر ہے شورِ عنادل اُدھر بھی کان دھرو
سرِ قفس تو چھنکتی رہیں گی زنجیریں

چمن چمن یہ ہوائے سموم کے جھونکے
بجھی ہوں زہر میں جیسے برہنہ شمشیریں

غمِ زمانہ، غمِ عاشقی، غمِ فردا
ہم اہلِ دل کے لئے ہیں ہزار تعزیریں

قتیلؔ جن میں نہیں تھا غمِ حیات کا رنگ
مٹی مٹی نظر آتی ہیں اب وہ تحریریں

غزل

بے خودی میں پہلوئے اقرار پہلے تو نہ تھا
اتنا غافل وہ بتِ عیار پہلے تو نہ تھا

اہلِ دل جاتے ہیں اب دار و رسن کی راہ سے
اس قدر مشکل وصالِ یار پہلے تو نہ تھا

مصر کی گلیاں اتر آئی ہیں اپنے شہر میں
حسن والوں کا یہ حالِ زار پہلے تو نہ تھا

آ رہی ہے خود بخود شاید کوئی منزل قریب
مہرباں یوں قافلہ سالار پہلے تو نہ تھا

اس میں بھی کچھ راز ہے ورنہ دیارِ حُسن میں
دردمندوں کا کوئی غمخوار پہلے تو نہ تھا

ہوش میں آنے لگے ہیں ان بہاروں کے طفیل
ورنہ دیوانوں کا یہ کردار پہلے تو نہ تھا

روز و شب اپنے لئے ہیں قتل کے فتوے قتیلؔ
مفتیٔ شہر اس قدر دیں دار پہلے تو نہ تھا

کچھ غنچہ لبوں کی یاد آئی، کچھ گل بدنوں کی یاد آئی
جو آنکھ جھپکتے بیت گئیں ان انجمنوں کی یاد آئی

مجروح گلوں کے دامن میں پیوند لگے ہیں خوشبو کے
دیکھا جو بہاروں کا یہ چلن سنسان بنوں کی یاد آئی

تھی ہوش خرد سے کس کو غرض اربابِ جنوں کے حلقے میں
جب فصلِ بہاراں چیخ اٹھی تب پیرہنوں کی یاد آئی

کیا کم ہے کرم یہ اپنوں کا پہچاننے والا کوئی نہیں
جو دیس میں بھی پردیسی ہیں ان ہم وطنوں کی یاد آئی

شیریں کی اداؤں پہ مائل، پرویز کی سطوت سے خائف
جو بن نہ سکے فرہاد کبھی، ان تیشہ زنوں کی یاد آئی

چھایا ہے قتیلؔ اکثر دل پر نادیدہ نظاروں کا جادو
ہم بادیہ پیما تھے لیکن پھر بھی چمنوں کی یاد آئی

غزل

افق کے اس پار زندگی کے اداس لمحے گزار آؤں
اگر میرا ساتھ دے سکو تم تو موت کو بھی پکار آؤں!

کچھ اس طرح جی رہا ہوں جیسے اٹھائے پھرتا ہوں لاش اپنی
جو تم ذرا بھی دو سہارا تو بارِ ہستی اتار آؤں

بدل گئے زندگی کے محور، طوافِ دیر و حرم کہاں کا
تمہاری محفل اگر ہو باقی تو میں بھی پروانہ وار آؤں

کوئی تو ایسا مقام ہوگا، جہاں مجھے بھی سکوں ملے گا
زمیں کے تیور بدل رہے ہیں تو آسماں کو سنوار آؤں

اگرچہ اصرارِ بیخودی ہے تجھے بھی زرپوش محفلوں میں
مجھے بھی ضد ہے کہ تیرے دل میں نقوشِ ماضی ابھار آؤں

سنا ہے ایک اجنبی سی منزل کو اٹھ رہے ہیں قدم تمہارے
برا نہ مانو تو رہنمائی کو میں سرِ رہگزار آؤں

غزل

طربِ خانوں کے نغمے غم کدوں کو بھا نہیں سکتے
ہم اپنے جام میں اپنا لہو چھلکا نہیں سکتے!

چمن والے خزاں کے نام سے گھبرا نہیں سکتے
کچھ ایسے پھول بھی کھلتے ہیں جو مرجھا نہیں سکتے

نگاہیں ساتھ دیتی ہیں تو سنتے ہیں وہ افسانے
جو پلکوں سے چھلکتے ہیں، زباں پر آ نہیں سکتے

اب آ کر لاج بھی رکھ لے خزاں دیدہ بہاروں کی
یہ دیوانے فسانوں سے تو جی بہلا نہیں سکتے

کچھ ایسی دُکھ بھری باتیں بھی ہوتی ہیں محبت میں
جنہیں محسوس کرتے ہیں مگر سمجھا نہیں سکتے

چلو پابندیٔ فریاد بھی ہم کو گوارا ہے!
مگر وہ گیت جو ہم مسکرا کر گا نہیں سکتے؟

ہمیں پتوار اپنے ہاتھ میں لینے پڑیں شاید
یہ کیسے ناخدا ہیں جو بھنور تک جا نہیں سکتے

غزل

ہم کو انتظارِ سحر بھی قبول ہے!
لیکن شبِ فراق ترا کیا اصول ہے

اے ماہِ نیم شب تری رفتار کے نثار
یہ چاندنی نہیں ترے قدموں کی دھول ہے

کانٹا ہے وہ کہ جس نے چمن کو لہو دیا
خونِ بہار جس نے پیا ہے وہ پھول ہے

دیکھا تھا اہلِ دل نے کوئی سروِ نو بہار!
دامن الجھ گیا تو پکارے ببول ہے

باقی ہے پو پھٹے بھی ستاروں کی روشنی
شاید مریضِ شب کی طبیعت ملول ہے

جب معتبر نہیں تھا مرا عشقِ بدگماں
اب حسنِ خود فروش کا رونا فضول ہے

لٹ کر سمجھ رہے ہیں کہ نادم ہی راہزن
کتنی حسین اہلِ مروّت کی بھول ہے

غزل

ہم سوختہ جانوں کی خاطر آرائشِ عارض ولب ہی سہی
جو برسوں تم کر نہ سکے وہ قتل کے ساماں اب ہی سہی

اے بادۂ ناب کے رکھوالے دو گھونٹ ادھر بھی پہنچا دے
معیارِ کرم اس محفل کا پیمانۂ نام ونسب ہی سہی!

جو کچھ بھی کوئی کہتا ہے کہے، اظہارِ تمنا تو ہو گا!
ہم اہلِ جنوں کی باتوں میں کچھ پہلوئے سوئے ادب ہی سہی

موجود ہیں پنچھی گلشن میں پھر کیوں ہو سکوتِ مرگ یہاں
پرشور ترانوں کے بدلے اک نغمہ ریزلب ہی سہی!

اپنے پہ بھروسہ ہے جن کو، نغماتِ سحر بھی سن لیں گے
کرنوں کی دمکتی آہٹ تک نقارۂ آخر شب ہی سہی

آلودہ زباں ہو جائے گی، انصاف کی میٹھی بولی ہے
تم اپنی روش کو مت بدلو ہم موردِ قہر وغضب ہی سہی

دیکھا ہے قتیلِ آخر شب نے اس شوخ کو بھی مائل بہ کرم
اس کارِ نمایاں کے پیچھے گستاخیٔ دستِ طلب ہی سہی

غزل

ذکر ہے اپنا محفل محفل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں
راز نہیں اب حادثۂ دل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں

کون سنے نغماتِ خراماں، کس پہ چلے رفتار کا جادو
عشق تو ہے پابندِ سلاسل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں

سوچ سمجھ کر دھوکا کھانا، پچھتانا پھر پیار نبھانا!
پیار کی ہے یہ کون سی منزل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں

سسک سسک کر صحنِ چمن میں ہر نغمہ دم توڑ رہا ہے!
خوب ہوئی توقیرِ عنادل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں

دور بھنور کی گود میں جا کر موت کی لوری دینے والے!
سر بہ گریباں ہیں لبِ ساحل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں

دھوم تو ہے لیلائے جنوں کی لیکن اذنِ دید نہیں ہے
تو ہی اٹھا اب پردۂ محمل اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں

ختم شُد

رعنا
قیمت تین روپے آٹھ آنے
نیو تاج آفس پوسٹ بکس ۱۶۴۹ دہلی